دد

عہد بنی عباس میں مسلم - غیر مسلم تعلقات
(ایک تجزیاتی مطالعہ)

محمد ریاض محمود*

اسلام امن وسلامتی کا دین ہے، یہ اپنے ماننے والوں کو رنگ ونسل اور مذہب وعقیدہ کی تفریق کیے بغیر انسانی تعلقات کے احیاء واستحکام کا درس دیتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید،احادیث رسولؐ اورفقہاء کی آراء سے یہ پیغام ملتا ہے کہ غیرمسلموں سے حسنِ سلوک کیا جائے اوراعلی درجے کی رواداری کا مظاہرہ کیا جائے۔ یہ دین اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ محض عقائدونظریات کے اختلاف کی وجہ سے کسی کے ساتھ بدسلوکی اوربے مروّتی کااظہار کیا جائے ۔(۱) خودرسول اللہ ﷺ نے غیرمسلموں سے سیاست ، معاشرت اورمعیشت کے شعبہ جات میں بہترین تعلقات استوارفرمائے۔میثاق مدینہ ،صلح حدیبیہ،وفد نجران سے حُسنِ سلوک اورفتح مکہ کے موقع پرغیرمسلموں کے لیے عام معافی کااعلان ،ان تعلقات کے وجوداوران کی اہمیت کی بہترین مثالیں ہیں ۔(۲)

آپ ﷺ نے غیرمسلم ماہرین کی خدمات سے استفادہ فرمایااورکسی مذہبی تعصب کوآڑے نہیں آنے دیا۔ انسانیت نوازی کی اس گراں قدرروایت کوامت مسلمہ نے حضور ﷺ کے بعدبھی جاری رکھا۔اس ضمن میں خلفائے راشدین(۱۱۔۴۱ھ)اورخلفائے بنوامیہ(۴۱ ۔۱۳۲ھ) نے مثالی کردارادا کیا ہے۔حضرت عمر فاروقؓ نے مفتوح ایرانی قوم کے نظام حکومت و معاشرت سے رہنمائی ہی حاصل نہیں کی بلکہ ایرانی سلطنت کے بہت سے اہل کاروں کواپنے ہاں ملازمت فراہم کرکے اپنی مذہبی بےتعصبی کا مظاہرہ کیا۔اموی دور میں مسلمانوں کو بہت سی فتوحات حاصل ہوئیں جن کے نتیجے میں مسلمانوں نے بہت سی غیرمسلم اقوام کے ساتھ وسیع پیمانے پرتعلقات قائم کیے ۔اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ (۹۹ ۔۱۰۱ھ)نے تو غیرمسلموں کے ساتھ شفقت اورمہربانی کی انتہا کردی،تاہم مسلم- غیرمسلم تعلقات کووسعت وگہرائی عہد بنی عباس (۱۳۲ ۔۶۵۶ھ)میں حاصل ہوئی۔عباسی حکومت کے زیراثر غیرمسلم اقوام نے بھی اسلامی سلطنت کے انتظام وانصرام میں اپنا کردارادا کیا۔اس دورمیں مملکت اسلامیہ نے بین الاقوامی حیثیت اختیارکرلی تھی ،اس کی جغرافیائی حدودپھیل کرایک طرف مغرب میں بحراوقیانوس تک اوردوسری طرف مشرق میں چین وہندتک جاپہنچی تھیں۔اس وسیع وعریض سلطنت میں ترک ، پٹھان ،سندھی، ایرانی،کرداورعرب ایسی بے شماراقوام

* لیکچرار ، شعبہ علوم اسلامیہ ، یونیورسٹی آف گجرات ، گجرات، پاکستان

آباد تھیں۔اسلام کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب عیسائیت، یہودیت، بدھ مت، جین مت اور ہندومت وغیرہ کے ماننے والے اسلامی مملکت کے شہری تھے، جو اپنا اپنا منفرد ومختلف تہذیبی وفکری پس منظر رکھتے تھے۔ اس کثیر المذاہب معاشرے میں عباسی خلفاء نے رواداری کی عظیم الشان روایات قائم کیں۔غیر مسلموں کے حقوق کے تحفظ کو یقینی بنایا گیا،انہیں تعلیم وصحت کی بہترین سہولیات فراہم کی گئیں،ان کے تہواروں میں شرکت کی گئی،انہیں اہم عہدوں پر فائز کیا گیا،مختلف شعبہ ہائے اقتدار وسیاست سے متعلق ان سے مشاورت کی گئی،ان کے مذہبی پیشواؤں کی تعظیم کی گئی،ان کے شخصی معاملات سے متعلق مقدمات میں انہیں اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے فیصلے اپنی شریعت کے مطابق کریں، اس حد تک آزادی فراہم کی گئی کہ وہ خلیفہ کے دربار میں آکر اپنے مذہب کو درست ثابت کرنے کے لیے دلائل دے سکیں،ریاست کے طول وعرض میں اپنے اپنے مذہب کی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی اجازت دی گئی اوران کی حفاظت کے لیے بہترین فکری وانتظامی بندوبست کیے گئے،ان کے علوم کے تراجم کرکے ان کی اشاعت کے عمل کو آسان کردیا گیا،مختلف مذاہب کے حاملین کے زیر انتظام چلنے والی مختلف ریاستوں سے سفارتی تعلقات قائم کیے گئے اور ان سے تجارتی مراسم کو رواج دیا گیا۔الغرض عباسی خلفاء نے غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک،فراخ دلی، ہمدردی اور رواداری کو فروغ دے کر انسانی تہذیب وتمدن کے ارتقاء میں شاندار کردار ادا کیا۔

موجودہ دور بلاشبہ مغربی فکروفلسفہ کے غلبے کا دور ہے۔ اکثر مغربی دانشور اپنی تہذیب کو دنیا کی آخری تہذیب قرار دینے پر مُصِرّ ہیں۔ امت مسلمہ کے علاوہ دنیا کی تمام اقوام نے نظری اور عملی طور پر مغرب کے تہذیبی غلبے کو تسلیم کرلیا ہے۔ اہل مغرب کی اکثریت کا دعوی ہے کہ مغربی تہذیب انسان کے تہذیبی ارتقاء کی مکمل ترین شکل ہے جس میں بنیادی انسانی حقوق اور تہذیبی اقدار کو اس طرح جمع کردیا گیا ہے کہ اب کسی اور طرز زندگی پر اصرار نری جہالت اور تاریک خیالی ہے۔ اس وقت چونکہ مسلمان بحیثیت قوم مغربی تہذیب اور اس کے فکروفلسفہ کے خلاف شدید مزاحمت کررہے ہیں اس لیے مغرب کی طرف سے اسلامی تہذیب وتمدن کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا جارہا ہے اور مسلمانوں کے طرز زندگی پر طرح طرح کے اعتراضات کیے جارہے ہیں۔ انسانی معاشرے کے ارتقاء میں اسلامی تہذیب نے جو شاندار کردار ادا کیا ہے اس کو محض ایک افسانہ قرار دیا جارہا ہے۔ بدقسمتی سے اس وقت عالم اسلامی علمی، فکری اور سیاسی زوال کے بدترین دور سے گزر رہا ہے۔ اسلامی ممالک کے ذہین طلباء کی ایک بڑی تعداد مغرب کے تعلیمی اداروں میں زیر تعلیم ہے اور اسلامی فکروفلسفہ سے ان کی واقفیت کا بڑا ذریعہ وہ کتابیں ہیں جن کو مستشرقین نے اپنے مخصوص مقاصد کے پیش نظر تحریر کیا ہے۔ مستشرقین کی تصنیف کردہ بعض کتب میں جو منظر نامہ پیش کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ تاریخ انسانی میں اسلامی تہذیب نام کی کوئی چیز موجود نہیں نیز مسلمانوں کا ماضی سماج دشمنی، قتل وغارت، دہشت

گردی اورانسانی حقوق کی پامالی سے عبارت ہے خصوصاً غیر مسلموں کے بارے میں مسلمانوں کا رویہ سنگدلی، تنگ نظری، تعصّب اور جانبداری پر مبنی ہے۔ وہ غیر مسلموں کے ساتھ ناروا سلوک کرتے ہیں، لوگوں کو جبراً مسلمان بناتے ہیں، جو انکار کرے اسے قتل کر دیتے ہیں۔ یوں دین اسلام اور اس کی بنیاد پر پروان چڑھنے والی اسلامی تہذیب، انسانی ارتقاء کے تاریک دور کی یادگار ہے۔ بدقسمتی سے دور حاضر میں مسلمان نوجوان نسل بڑی تیزی کے ساتھ مغرب کے اس پروپیگنڈا کا شکار ہو رہی ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک طرف تو مغرب کے اعتدال پسند اہل علم کے سامنے اسلامی تہذیب کا تعارف اسلامی مصادر کی روشنی میں پیش کیا جائے اور دوسری طرف مغربی تہذیب سے ذہنی مرعوبیت کی شکار نوجوان نسل کے سامنے بھی اسلامی تہذیب کا حقیقی چہرہ لایا جائے، تاکہ وہ نہ صرف اپنے شاندار ماضی پر فخر کرنا سیکھیں بلکہ ان میں آگے بڑھنے کا حوصلہ بھی پیدا ہو سکے۔ کیونکہ تاریخ ہی وہ آئینہ ہے جس میں قومیں اپنے ماضی کا عکس دیکھتی ہیں اور مستقبل کی منصوبہ بندی کرتی ہیں۔ اہل مغرب کے اسلامی تہذیب اور مسلمانوں کے ماضی سے متعلق الزامات پر مبنی افکار کی حقیقت کا جائزہ لینے کے لیے اسلامی تہذیب کی تاریخ کا تجزیاتی مطالعہ از حد ضروری ہے۔ اس ضمن میں زیر نظر تحقیقی مضمون کے لیے عہد بنی عباس کا انتخاب کیا گیا ہے کیونکہ کسی بھی تہذیب کے حسن و قبح کو جانچنے کے لیے اس کے دورِ عُروج کا مطالعہ خصوصی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ عہد بنی عباس اسلامی تہذیب و تمدن کے عروج کا اولین دور تھا جس میں سینتیس ۳۷ خلفاء نے پانچ سو چوبیس سال تک حکومت کی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب یورپ جہالت، بربریت اور وحشت میں ڈوبا ہوا تھا اور ایشیاء و افریقہ میں تہذیب و شائستگی کا شائبہ تک نہ تھا، لوگ گارے اور گھاس کے جھونپڑوں میں رہتے تھے، ان کی گلیاں غلاظت اور جا بجا گندے جوہڑوں پر مشتمل ہوتی تھیں، وہ غسل کرنے کے عمل سے ناآشنا تھے۔ ماحول و معاشرت کی اس گرانی نے ان کے فکر و عمل پر انتہائی منفی اثرات مرتب کر دیئے تھے۔ انسانی حقوق کی پامالی اور قتل و غارت ان کا معمول بن چکا تھا۔ اس طرح دنیا کی بڑی بڑی تہذیبیں اور تمدن تباہ ہو چکے تھے۔ روم اور ایران جو اس وقت کی دو بڑی ریاستیں تھیں ان میں مذہبی تعصّب اور فرقہ واریت کا عالم یہ تھا کہ انسان ایک دوسرے کی جان کے درپے تھے۔ اس ضمن میں پیر کرم شاہ الازہری کا تبصرہ ملاحظہ ہو:

> ''جب بیزنطینی حکمرانوں نے عیسائیت قبول کی تو ایران میں بسنے والے عیسائیوں کی ہمدردیاں فطرتاً ان کے ساتھ ہو گئیں۔ اس وابستگی کے سبب ایرانی حکمرانوں نے عیسائیوں کے خلاف فرد جرم عائد کرتے ہوئے کہا کہ عیسائی ہماری مقدس تعلیمات کو تباہ کرتے ہیں وہ لوگوں کو تلقین کرتے ہیں کہ صرف ایک خدا کے بندے بنیں۔ سورج اور آگ کی تعظیم نہ کریں۔ وہ بادشاہ کے ملازم کی

تحقیر کرتے ہیں انہیں جادو سکھاتے ہیں۔عیسائیوں کے خلاف سب سے پہلے جو شاہی فرمان جاری ہوا۔وہ یہ تھا کہ وہ دوسری رعایا سے دوگنا ٹیکس ادا کریں تا کہ جنگ کے اخراجات پورے کئے جاسکیں۔جن میں وہ حصہ نہیں لیتے۔مارشیمون ایک پادری کو حکم دیا گیا کہ وہ ٹیکس کی اس رقم کو لوگوں سے وصول کر کے جمع کرے اس نے حماقت کی اور یہ حکم بجالانے سے انکار کر دیا۔اس کی دو وجوہات تھیں پہلی یہ کہ لوگ بہت غریب ہیں اتنا ٹیکس ادا نہیں کر سکتے۔دوسری یہ کہ بشپ کا کام ٹیکس جمع کرنا نہیں۔ اس کو اس کے بہت سے ساتھیوں سمیت گرفتار کرلیا گیا۔ اور 339ء میں گڈفرائیڈے کے دن مارشیمون، پانچ بشپوں اور ایک سو پادریوں کو سوسا کے مقام پر پھانسی دے دی گئی۔''(۳)

دوسری طرف روم کی صورتِ حال بھی بدتر تھی۔فرقہ وارانہ عصبیت کا دور دورہ تھا۔ایک کلیسا کے ماننے والے دوسرے کلیسا والوں پر ظلم وزیادتی کی انتہا کر دیا کرتے تھے۔ یہودی اور دیگر مذاہب کے حاملین پر پادریوں اور ان کے ہم خیال حکمرانوں کے ظلم وستم کی انتہا ہو چکی تھی۔یوں پوری دنیا میں مذہبی اختلاف رکھنے والے لوگوں کے ساتھ ذلت آمیز سلوک کیا جاتا تھا چہ جائیکہ ان کے کچھ حقوق متعین کئے جائیں۔(۴)اس وقت اسلام کی صورت میں عرب کی سرزمین پر ایک نئی تہذیب نے جنم لیا اور کئی صدیاں پوری انسانیت کی امامت کا فریضہ سرانجام دیا۔عہد بنی عباس یعنی اسلامی تہذیب کے دورِ عروج میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بغداد، کوفہ، سامرہ، بصرہ، دمشق، سمرقند، بخارا، رے اور قاہرہ ایسے شہر اسلامی تہذیب کا مرکز قرار پائے۔ان عظیم الشان شہروں کی آبادی لاکھوں نفوس پر مشتمل تھی جہاں رنگ ونسل اور مذہب وعقیدہ کے امتیاز کے بغیر انسانوں کے حقوق کے تحفظ کا پورا انتظام کیا گیا تھا۔انسانی تاریخ کے اس شاندار دور میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے باہمی تعلقات کی بہترین مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔مسلمانوں کے ماضی سے متعلق ان حقائق کا تجزیہ دورِ حاضر کی ایک اہم علمی وفکری ضرورت ہے جس کی تکمیل کی غرض سے زیرِ نظر تحقیقی مضمون کے لیے'' عہد بنی عباس میں مسلم - غیر مسلم تعلقات : ایک تجزیہ'' کے موضوع کا انتخاب کیا گیا ہے۔عباسی خلفاء کے غیر مسلموں سے متعلق طرزِ عمل کی وضاحت ذیل میں درج نکات کی صورت میں پیش کی جاتی ہے۔

ٹیکسوں کا کم سے کم بوجھ:

اسلامی ریاست جہاں مسلمانوں سے زکوٰۃ وعشر وصول کرتی ہے وہاں غیر مسلموں سے جزیہ وخراج بھی وصول کیا جاتا ہے۔اسلام نے مسلمانوں کے لئے زکوٰۃ وعشر کے نصابات کی شروح کا تعین قیامت تک کے لئے کر دیا ہے،مگر غیر مسلموں سے وصول کئے جانے والے جزیہ وخراج کی کم از کم یا زیادہ سے زیادہ حدود کا تعین نہیں

کیا۔ یہاں شریعت کی حکمت یہ نظر آتی ہے کہ غیر مسلموں سے کم سے کم ٹیکس وصول کئے جائیں اور اس سلسلے میں ان سے کوئی نامناسب سلوک نہ کیا جائے۔ کسی ذہنی وجسمانی تشدد سے گریز کیا جائے ۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے کے کمزور افراد سے جزیہ وصول نہیں کیا جاتا تھا اور نہ ہی ان لوگوں سے وصول کیا جاتا تھا جو اپنے مذہبی امور میں مصروف رہتے تھے۔ یہ صرف عاقل ، بالغ اور آزاد مردوں سے وصول کیا جاتا تھا جب کہ خواتین اور بچے اس سے مستثنیٰ تھے۔ عہد بنی عباس میں جزیہ کی شرح یہ تھی:

۱۔ دولت مند ۴۸ درہم سالانہ ۲۔ متوسط ۲۴ درہم سالانہ ۳۔ ادنیٰ ۱۲ درہم سالانہ (۵)

جزیہ ایسے حساس معاملہ میں عباسی خلفاء کے طرزِ عمل کی وضاحت امام الماوردی کے اس بیان سے ہوتی ہے:

''امام ابو یوسف نے ہارون الرشید کو خط لکھا کہ آپ کا فرض ہے کہ ذمّیوں سے رواداری برتیں ۔ یہ ابن عم آنحضرت ﷺ کا معمول تھا۔ ان کی ضرورتوں سے بے خبر نہ رہیے، ان پر جبر وزیادتی نہ ہونے دیجیے۔ جزیہ کے علاوہ ان کا مال نہ لیا جائے۔ آنحضرت ﷺ ، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے آخری الفاظ سے آپ ناواقف نہ ہوں گے۔ ذمّیوں سے بھلائی کرنا، ان سے رواداری برتنا، انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دینا۔'' (۶)

اس ضمن میں مسلمانوں کی عمومی فکر کی توثیق وتحسین معروف مستشرق ڈاکٹر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ نے بھی کی ہے۔ ان کے خیال میں مسلمانوں کی فتوحات کے ابتدائی ایام میں مسیحیوں کو مذہبی آزادی حاصل تھی اور انہیں ٹیکس کے ضمن میں مسلم حکومت سے کوئی شکایت نہ تھی۔ جزیہ کے حوالے سے غیر مسلم شہری کوئی بوجھ اور ذہنی تناؤ محسوس نہیں کرتے تھے۔ (۷) انہوں نے اس تاریخی حقیقت کا بھی اعتراف کیا ہے کہ جزیہ کی شرحیں جو قدیم فاتحین نے مقرر کی تھیں وہ یکساں نہ رہیں۔ (۸) اسلامی تاریخ کے مختلف مراحل کے گہرے مطالعہ کے بعد ایک اور حقیقت یہ سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں نے بعض اوقات کسی خاص قبیلہ یا فرد کو جزیہ معاف بھی کر دیا۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ مسلمانوں کا بنیادی ہدف غیر مسلموں سے بے جا ٹیکسوں کی وصولی کبھی نہیں رہا۔ اس کی بہت سی مثالیں عہد بنی عباس میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ڈاکٹر آرنلڈ کے بیانات سے اس تاثر کی تصدیق ہوتی ہے۔

فوجی خدمت سے استثناء:

غیر مسلموں سے عمومی طور پر فوجی خدمات نہیں لی جاتی تھیں۔ اسلامی ریاست کے نظریاتی پس منظر کا ایک لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس کی حفاظت وہی لوگ کریں جو اسلامی فکر وفلسفہ کو دل وجان سے تسلیم کرتے ہوں کیونکہ اگر اس نظریاتی ریاست کے تحفظ کی ذمہ داری غیر مسلموں کے کندھوں پر ڈال دی جائے تو ان کی حیثیت محض کرائے کے

سپاہیوں کی سی ہوگی۔لہٰذا غیر مسلموں کے لئے یہی مناسب سمجھا گیا کہ وہ ملکی حفاظت پر ہونے والے اخراجات میں اپنا حصہ ادا کریں اور اسلامی ریاست کے اندر محفوظ و مامون زندگی بسر کریں۔یہی وجہ ہے کہ جزیہ کی رقم اسلامی ریاست کے لئے غیر مسلموں کی طرف سے اپنی حفاظت کا معاوضہ ہے نہ کہ قبولِ اسلام نہ کرنے کی سزا یا جرمانہ۔(۹) مستشرق آرٹن جیکب پاشا بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ جزیہ کے ذریعے غیر مسلموں کو فوجی خدمت سے فراغت کی سہولت میسر آتی تھی۔(۱۰)

مستشرق کیرن آرم سٹرانگ اس ضمن میں غیر مسلموں کے اطمینان کی وضاحت ان الفاظ میں کرتی ہے:

''عیسائیوں ، یہودیوں اور دیگر مذہبی گروپوں کو اپنے اپنے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت تھی لیکن انہیں تسلیم کرنا ہوتا تھا کہ اسلام ریاستی مذہب ہے اور ملک میں سب سے برتر ہے ،انہیں ذمی یا زیرحفاظت لوگ کہا جاتا تھا۔وہ مسلمانوں کے فراہم کردہ فوجی تحفظ کے صلے میں ایک ٹیکس ادا کرتے تھے جو کہ اس زمانے کا ایک معمول تھا۔انہیں مسلح ہونے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔اس کے علاوہ بھی انہیں دوسرے قوانین پر عمل کرنا ہوتا تھا۔تاہم اسکالرز نے نشاندہی کی ہے کہ یہ قوانین حقارت آمیز نہ تھے۔اور ان کے نفاذ میں سختی سے کام نہیں لیا جاتا تھا۔''(۱۱)

غیر مسلموں کے بارے میں اسلامی ریاست کو یہ بھی اختیار حاصل تھا کہ وہ انہیں فوج میں خدمات انجام دینے کی اجازت دے دے۔اگر یہ اجازت دی جاتی تو فوراً جزیہ معاف کر دیا جاتا۔(۱۲) عباسی خلفاء نے اس ضمن میں بڑی فراخ دلی اور عدم تعصّب کا مظاہرہ کیا۔قاضی اطہر مبارکپوری کا بیان ملاحظہ ہو:

''ہارون رشید کے زمانے میں فضل بن یحییٰ نے خراسان میں شاندار کارنامے انجام دیے ،سرائیں اور مسجدیں بنوائیں اور ماوراء النہر میں جہاد کیا۔اس نے بیس ہزار فوج بغداد روانہ کی جس کو کرمینیہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔اس فوج میں ذمی بھی تھے۔اور خاص طور پر ہندی سپاہیوں کی بہادری کے بڑے چرچے تھے اس موقع پر مروان بن ابو حفصہ نے ایک قصیدہ کہا جس کے یہ اشعار بھی تھے۔

ما الفضل الا شهاب لا اقول له عندالحروب اذاماتافل الشهب

ويعطى النهىٰ حين يعطى الجوادولا ينبو اذ اسلت الهندية القضب

ترجمہ:فضل بن یحییٰ ایک ایسا شعلہ ہے جولڑائی میں بجھتا نہیں جب کہ بہت سے شعلے بجھ جاتے ہیں۔جس طرح سخی مال تقسیم کرتا ہے، وہ مال غنیمت تقسیم کرتا ہے اور ہندوستانی شمشیر جب کھنچ جاتی

ہے۔تو مڑتی نہیں۔'' (۱۳)

اسلامی لشکر میں غیر مسلموں کی موجودگی خصوصاً ہندی سپاہیوں کا تذکرہ، اعتماد کی اس فضا کا عکاس ہے جو عباسی خلفاء اور ان کی غیر مسلم رعایا کے درمیان موجود تھی۔

غیر مسلم علماء، امراء، اطباء اور معماروں کی خدمات:

عباسی خلفاء نے غیر مسلموں کے ساتھ زندگی کے مختلف شعبوں میں بہترین تعلقات قائم کیے۔ان کے علوم وفنون میں غیر معمولی دلچسپی لی۔ان کی کتب کے عربی تراجم کروا کے نہ صرف یہ کہ ان کی علمیت کا اعتراف کیا بلکہ خود ان کے نظریات کی اشاعت کو بھی لائقِ تحسین جانا۔(۱۴)ان کے علوم وفنون کے علاوہ ان کے علماء، امراء، اطباء اور ماہرین تعمیرات سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوششیں کیں۔اس مذہبی رواداری کا اندازہ مولانا عبدالرزاق کانپوری کے اس بیان سے بخوبی ہوجاتا ہے:

> ''ابوالعباس سفاح کو دمشق میں، خلیفہ مروان ثانی کے مقابلہ میں جو کامیابی ہوئی۔اس میں عیسائی امراء بھی شریک تھے۔اورانہوں نے مخفی طریقہ سے جو امداد پہنچائی اس کا صلہ دیا جانا ضروری تھا۔ لہذا سفاح، منصور، ہارون الرشید اور مامون الرشید نے ان کو صلاۃ اورانعام سے مالامال کردیا۔ اورطبابت وکتابت کے خدمت کے علاوہ ندیموں میں بھی داخل ہوئے۔اورشعروشاعری میں بھی مسلمانوں سے پیچھے نہیں رہے۔کیونکہ شامی ومصری عیسائیوں کی مادری زبان عربی تھی۔علاوہ بریں عیسائیوں نے ریاضی اور ہیئت میں بڑی ترقی کی تھی۔اس لیے محکمہ تعمیرات میں بھی دخیل تھے۔ بغداد میں تقریباً پچاس ہزار صنّاع تھے۔ان میں عیسائی معماروں کی کثرت تھی اورعیسائی محلے آباد تھے۔جہاں ان کے گرجے اور خانقاہیں باعث رونق تھیں۔اتوار کے دن مسلمان بھی تفریحاً گرجوں کی طرف جانکلتے تھے۔'' (۱۵)

عباسیوں کے دربار میں ہندواورعیسائی اطباء کی بھرپور خدمات لی جاتی تھیں۔جورجیس بن بختیشوع، جبریل بن بختیشوع اوربختیشوع بن جورجیس اس دور کے معروف عیسائی طبیب تھے۔(۱۶)فن تعمیر میں بھی عباسیوں نے غیر مسلموں کی خدمات سے بھرپوراستفادہ کیا۔نہ صرف نئی عمارتوں کے بنانے میں مفتوحہ اقوام کے مزاج کوملحوظِ خاطر رکھا گیا بلکہ عملاً تعمیراتی کام میں ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا گیا۔اس ضمن میں معروف فرانسیسی مستشرق ڈاکٹر گستاؤلی بان کا بیان ملاحظہ ہو:

> ''بحرحال یہ امر یقینی ہے کہ ابتدائے اسلام میں جو کچھ عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ان کے بنانے والے خود

عرب نہ تھے۔ مثلاً انہوں نے جو کچھ تبدیلیاں گرجوں اور کلیساؤں میں ان کو مساجد بنانے کی غرض سے کیں اور جو عمارتیں انہوں نے قدیم عمارتوں کے مال مصالح سے تعمیر کیں۔ ان کے بنانے والے حقیقت میں وہی معمار تھے جو ان مفتوحہ علاقوں کے باشندے تھے پس گویا وہ کاریگر جن سے عربوں نے شام میں کام لیا زیادہ تر ایرانی تھے یا مشرقی۔ عربوں کی نسبت ان معماروں کے ساتھ ویسی ہی تھی جیسی کسی نئے امیر کی ہوتی ہے جو اپنی نئی دولت کو عمارت بنانے میں صرف کرتا ہے اور ایسی صورتوں میں بنانے والا کوئی کیوں نہ ہو عمارت کی وضع میں ہمیشہ مالک کے ذاتی خیالات شامل رہتے ہیں۔ ان ایرانی اور مشرقی معماروں کو بھی ضرور تھا کہ تعمیر کی وضع میں ہمیشہ مالک کے ذاتی خیالات کی پابندی رکھتے اور یہی وجہ ہوئی کہ تھوڑے ہی زمانہ کے بعد عربوں کی عمارات نے ایسی وضع پیدا کر لی اور ان کی اندرونی آرائشیں اور گلکاریاں کچھ ایسی خاص وضع پر ترتیب دی گئیں کہ ان میں اور دوسری عمارات میں ایک بیّن فرق معلوم ہونے لگا۔ یہ ممکن ہے کہ اختلاف ملک کے لحاظ سے آرائشوں اور گلکاریوں کی ترتیب کہیں ایرانی اور کہیں مشرقی اور کہیں ہندی ہو لیکن عمارتوں کی مجموعی وضع اور اس کے مختلف حصوں کا تناسب بالکل عربی ہے۔''(۱۷)

ڈاکٹر گستاؤلی بان کی رائے کا تجزیہ کرنے سے یہ تاریخی حقائق واضح ہوتے ہیں کہ مسلم خلفاء نے غیر مسلم اہلِ علم وفن کی صلاحیتوں سے نہ صرف یہ کہ استفادہ کیا بلکہ ان پر اعتماد و اعتبار بھی کیا۔ نیز اسلامی تہذیب وتمدن کو حُسن وعروج عطا کرنے میں غیر مسلموں نے بھی کوئی عار محسوس نہ کی۔ یہ دوطرفہ بے تکلفی اور عدم ہچکچاہٹ مسلم خلفاء کے غیر مسلموں سے روادارانہ سلوک کا ثمر وفیض ہے۔

تحفظِ جان ومال:

عباسیوں نے اسلامی تعلیمات کی تنفیذ کرتے ہوئے غیر مسلموں کے جان ومال کو مکمل تحفظ فراہم کیا، اگر کبھی انہیں ریاستی یا ذاتی مقاصد کے تحت غیر مسلموں کی جائیدادوں کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے باقاعدہ قیمت ادا کر کے ان جائیدادوں کو خریدا۔ غیر مسلموں کو اپنی زمین اور جائیداد کے تصرّف اور انتظام وانصرام میں مکمل آزادی تھی، وہ اسے فروخت کر سکتے تھے اور اسے اپنی اولاد کی طرف منتقل کر سکتے تھے۔ ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن کا بیان ہے:

''معتصم نے اپنے وزیر احمد بن خالد کو پانچ ہزار دینار دے کر سامرا روانہ کیا۔ احمد بن خالد نے وہاں عیسائیوں کا ایک گرجا اور اس سے ملحقہ ایک باغ اس رقم کے عوض خریدے۔ اس کے علاوہ دوسری زمینیں اور آس پاس کے مکان بھی خریدے اور معتصم کو اس خرید وفروخت کی اطلاع کی۔''(۱۸)

عباسی خلفاء نے اپنے مکمل سیاسی غلبے کے دور میں غیر مسلموں کو بہت سی سہولیات دے رکھی تھیں۔ رعایات کا یہ سلسلہ دورِ انحطاط میں بھی ہمیں نظر آتا ہے۔ اس دور میں عباسی خلافت کا دامن سمٹ گیا۔ مصر، فارس، خراسان، افریقہ، یمن اور کئی دیگر ممالک ان کے اقتدار سے نکل گئے تو ان کی آمدنی گھٹ گئی، انہوں نے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ضرائب متعارف کرائے، انہی ضرائب میں ''ضریبۃ الارث'' بھی تھا۔ رشید احمد ندوی کا بیان ہے:

''ضریبۃ الارث سب سے پہلے معتمد کے زمانہ میں متعارف ہوا۔ اس دور میں رعایا کے جو افراد لاوارث مرجاتے اور اپنے پیچھے بہت سامال چھوڑ جاتے تو معتمد نے اسے اپنے خزانہ میں داخل کرنا شروع کر دیا۔ معتضد نے اپنے زمانہ میں اس سلسلہ میں فقہاء سے استصواب کیا کہ آیا شریعت اس کی اجازت بھی دیتی ہے یا نہیں۔ قاضی ابو یوسف نے اسے غیر شرعی قرار دیا اور لکھا رسول اللہ ﷺ نے وضاحت فرمائی تھی کہ کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا۔ دو ملتیں ایک دوسرے کی وارث نہیں ہوسکتیں۔ اس بنا پر ذمیوں کے مال کی وارث ریاست نہیں ہوسکتی۔ البتہ مسلمانوں کی وراثت اسے پہنچ سکتی ہے۔ غالباً اسی فتویٰ کی بنا پر معتضد نے ضریبۃ الارث کی منسوخی کا حکم جاری کر دیا اور محکمہ توڑ کر اس کا روپیہ ذوی الارحام میں بانٹ دیا۔'' (۱۹)

خلفائے بنی عباس مسلم اور غیر مسلم عوام کے لئے مکمل امن کی ضمانت فراہم کئے ہوئے تھے۔ خلیفہ مقتدر نے دو یہودیوں کے درمیان ہونے والے تیس سالہ پرانے کاروباری جھگڑے کی تفتیش اور اس کا فیصلہ کرنے کے لئے بغداد سے عمّان کی طرف اپنا ایک نمائندہ بھیجا جس نے تمام تر سرکاری وسائل کو استعمال کر کے معاملے کو حل کرایا۔ یاد رہے کہ حکومت نے ملزم کو تیس سال کی روپوشی کے بعد گرفتار کیا تھا۔ باوجود اس کے کہ اس مقدمہ سے حکومت یا کسی مسلمان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ غیر مسلم عوام کے جان و مال کے تحفظ کے لئے غیر معمولی اقدامات کر کے عباسی خلفاء نے یہ ثابت کیا کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق کسی طور پر بھی غیر محفوظ نہیں ہیں۔ (۲۰)

عدل وانصاف:

اسلام کے سیاسی و معاشرتی نظام میں عدل و انصاف کی بڑی اہمیت ہے۔ عباسی خلفاء نے اس فریضہ کی ادائیگی میں کبھی مسلم و غیر مسلم کا فرق روا نہیں رکھا۔ ایک مرتبہ امیر سندھ عیینہ بن موسیٰ تمیمی کی فوج نے اس کے خلاف بغاوت کر دی۔ خلیفہ منصور نے اس کو لکھا کہ اگر تم انصاف کرتے تو فوج میں ہنگامہ آرائی نہ ہوتی اور اگر تم وعدہ پورا کرتے تو لوٹ مار بھی نہ مچائی جاتی۔ (۲۱) عباسیوں کے عدالتی فیصلے غیر مسلموں کے حقوق کی تاریخ کے ضمن میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ امام ابو یوسف جو عباسی دور میں قاضی القضاۃ رہے ہیں، انہوں نے وقت کے خلیفہ

ہارون الرشید سے بھی عدالتی معاملات میں کوئی رعایت نہ برتی جب کہ خلیفہ کے خلاف مقدمہ کا مدعی ایک غیر مسلم تھا۔عراق کے ایک بوڑھے نے ہارون کے خلاف یہ دعویٰ کر دیا کہ فلاں باغ میرا ہے اور خلیفہ نے اس پر غاصبانہ قبضہ کرلیا ہے۔اتفاق سے یہ مقدمہ اسی روز پیش ہوا جب خود ہارون الرشید فیصلے کے لئے بیٹھا تھا۔ قاضی ابو یوسف فریقین کے بیانات اوران کے دعوے ہارون الرشید کے سامنے پیش کررہے تھے۔جب اس مقدمہ کی باری آئی تو انہوں نے خلیفہ کے سامنے اسے پیش کیا اور کہا کہ آپ پر یہ دعویٰ ہے کہ آپ نے فلاں آدمی کا باغ زبردستی لے لیا ہے، مدعی یہاں موجود ہے، حکم ہوتو حاضر کیا جائے۔ بوڑھا سامنے آیا قاضی ابو یوسف نے اس سے پوچھا، بڑے میاں آپ کا کیا دعویٰ ہے ۔اس نے کہا، میرے باغ پر امیر المؤمنین نے ناحق قبضہ کرلیا ہے، جس کے خلاف دادرسی چاہتا ہوں۔ قاضی ابو یوسف نے سوال کیا، اس وقت وہ کس کے قبضے میں ہے ،اس نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین کے ذاتی قبضے اور نگرانی میں ہے۔اب قاضی ابو یوسف ہارون الرشید سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ اس دعویٰ کے جواب میں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ ہارون نے کہا، میرے قبضہ میں کوئی ایسی چیز نہیں جس پر اس کا حق ہو۔قاضی نے فریقین کے جواب سننے کے بعد مدعی سے پوچھا کہ تمھارے دعوے کے ثبوت کے لئے دلیل بھی ہے؟ کہا ہاں ،خود امیر المؤمنین سے قسم لی جائے۔خلیفہ ہارون نے قسم کھا کر کہا کہ یہ باغ میرے والد مہدی نے مجھے عطا کیا تھا، میں اس کا مالک ہوں۔بوڑھے نے یہ سنا تو اس کو بہت غصہ آیا اور بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا۔کہنے لگا کہ جس طرح کوئی شخص آسانی سے ستو گھول کر پی جائے اسی طرح اس شخص نے آسانی سے قسم کھالی ہے۔(۲۲)امام ذہبی کی تحقیق کے مطابق مدعی نصرانی تھا۔(۲۳)

ایک معمولی آدمی کی زبان سے یہ الفاظ سن کر ہارون کا چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا۔یحییٰ برمکی نے ہارون الرشید کو خوش کرنے کے لئے کہا، قاضی صاحب! آپ نے دیکھا کہ اس عدل و انصاف کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی ۔ امام ابو یوسف نے کہا کہ انصاف کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں ۔اس معاملہ میں امام ابو یوسف نے انصاف کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔مگر پھر بھی آخر وقت تک جب ان کو خیال آیا تو فرماتے ، میں اپنے اندر سخت کوفت اور اذیت محسوس کرتا ہوں، اور ڈرتا ہوں کہ میں نے جو انصاف میں کوتاہی کی ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا کیا جواب دوں گا؟ لوگوں نے پوچھا، آپ نے اس معاملہ میں کیا کوتاہی کی ہے؟ آپ اس سے زیادہ کیا کر سکتے تھے؟ آپ نے ایک معمولی کسان کے مقابلہ میں وقت کے سب سے بڑے بادشاہ کو قسم کھانے پر مجبور کر دیا۔فرمایا، تم لوگوں نے نہیں سمجھا کہ مجھے کس خیال سے تکلیف ہوئی ہے؟ پھر افسوس کے لہجے میں فرمایا کہ مجھے تکلیف اور کڑھن اس وجہ سے ہے کہ میں ہارون سے یہ نہ کہہ سکا کہ آپ کرسی سے اتر جایئے، جہاں آپ کا فریق کھڑا ہے وہاں آپ بھی ایک فریق کی حیثیت

سے کھڑے ہو جایئے یا پھر اجازت دیجئے اس کے لئے بھی کرسی لائی جائے۔(۲۴)

عباسی عہد میں مسلم و غیر مسلم کا فرق کئے بغیر انصاف کی فراہمی پر بڑی توجہ کی گئی۔کسی غیر مسلم کے ساتھ ہونے والی کسی زیادتی کا ذکر کتب تاریخ میں نہیں ملتا۔مستشرقین نے مسلمانوں کے عقائد پر عقلی میدان میں بہت سے اعتراضات کئے ہیں لیکن غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں خصوصاً ان کے حکمرانوں کی بدسلوکی کا گلہ انہوں نے کبھی نہیں کیا۔

تعلیمی مواقع کی یکسانیت:

اسلامی تاریخ کے اس شاندار دور میں علمی و تعلیمی سرگرمیاں عروج پر تھیں جن میں شرکت کرنے والے افراد پر رنگ و نسل نیز مذہب و فرقہ کی کوئی پابندی نہ تھی۔کتب خانوں اور مدارس کی بھرمار تھی۔(۲۵) شبلی نعمانی کی تحقیق کے مطابق مامون نے خراسان میں جو کالج بنوایا، یسوع نامی عیسائی کو اس کا پرنسپل مقرر کیا۔(۲۶) اس سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ عباسیوں نے نہ صرف غیر مسلموں کی تعلیم و تربیت پر توجہ کی بلکہ انہیں تعلیمی اداروں کی سربراہی عطا کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہ کی۔

تہواروں میں شرکت:

کثیر المذاہب معاشرت میں دیگر مذاہب کے حاملین کے مذہبی و ثقافتی تہواروں میں شرکت سے ہم آہنگی اور رواداری کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔عباسی خلفاء نے ہمیشہ غیر مسلموں کی دلجوئی کے لیے ان کے تہواروں میں نہ صرف یہ کہ خود شرکت کی بلکہ مسلم عوام کو بھی اس ضمن میں تحریک اور ترغیب فراہم کی۔ ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن غیر مسلموں کے تہواروں کے ضمن میں لکھتے ہیں:

> ''نوروز ایرانیوں کا قدیم تہوار تھا۔ جو ہر نئے سال کے موقع پر منایا جاتا تھا۔ یہ ان کے سال کا پہلا دن ہوتا تھا اور موسم ربیع کے شروع میں پڑتا تھا۔جب سورج برج حمل میں داخل ہوتا تھا۔ خراسان کے سلاطین نے نوروز سے ایک نیا رواج نکالا تھا اور وہ یہ تھا کہ اس دن ان کی فوج گرما گرم لباس پہنتی تھی اور اسی لباس میں نوروز کے جشن میں شرکت کرتی تھی۔عہد نوروز میں ایرانی ایک دوسرے کو بہت سے تحفے دیتے تھے، ان تحفوں میں شکر اور پہننے کے جوڑے بھی شامل ہوتے تھے کسریٰ خاندان کے شہنشاہوں نے نوروز کو بڑی اہمیت دے رکھی تھی اور اسے بڑے تزک واحتشام سے مناتے تھے۔کسریٰ خاندان کے شہنشاہوں کا دستور تھا کہ وہ نوروز کے پانچ دنوں میں پہلے دن دربار عام مقرر کرتے تھے۔جس میں رعایا کو انعام واکرام دیتے تھے۔ دوسرے دن

بلندمرتبہ اشخاص کو بایابی کا موقع دیتے تھے۔جو اس زمانے میں دہقانی زمیندار سمجھے جاتے تھے۔ تیسرے دن ملک کے سورماؤں اور بڑے بڑے مجوسی پیشواؤں کوشرفِ باریابی عطاء کرتے تھے۔ چوتھے دن اپنے گھر والوں،رشتہ داروں اورخاص لوگوں کوشرفِ باریابی بخشتے تھے۔اور پانچویں دن اپنے اہل وعیال اور باندی غلاموں کے ساتھ گزارتے تھے۔ چھٹے دن وہ تمام فرائض سے اپنے آپ کو فارغ رکھتے تھے۔اور یہ دن اپنے لئے مخصوص رکھتے تھے اور تحفے وصول کرتے تھے۔''(۲۷)

یہی مصنف عباسی عہد میں بین المذاہب ہم آہنگی کے منظر کو یوں واضح کرتا ہے:

''عباسی خلفاء بھی کیونکہ ایرانیوں سے انس رکھتے تھے اورروادای کے مظاہرے کے لئے شان وشوکت سے نوروز کا جشن منعقد کرتے تھے۔ اسی شان وشوکت سے سال کے اخیر میں مہرجان کا جشن منعقد کرتے تھے۔مہرجان کو روزمہر بھی کہتے تھے۔جس کے معنی ہیں'روح کی محبت' ایرانی اس دن کو سب سے بڑی عید تصور کرتے ہیں۔ایرانیوں کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ مہرجان کائنات کے خاتمے کی دلیل ہے اورنوروز دنیا کی ابتداء کی نشانی ہے۔ یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ عید مہرجان سردی کے شروع میں پڑتی ہے۔ ایرانی مہرجان کے موقع پر نوروز کی طرح بے شمار تحفے ایک دوسرے کو بھیجتے تھے۔ان میں شکر بھی شامل ہوتی تھی۔ ایرانی شہنشاہ اس موقع پر اپنے سورماؤں کو خلعت سرما دیتے تھے۔ ایرانی شہنشاہوں کا معمول تھا کہ مہرجان اورنوروز کے موقع پر دربارعام کرتے تھے مہرجان کا پانچواں روز ایرانیوں میں سب سے مقدس خیال کیا جاتا تھا۔اسے وہ رام روز کہتے تھے۔اورمہرجان عظیم سمجھا جاتا تھا۔اس دن فریدون نے ضحاق پر فتح پائی تھی اور ایرانیوں نے اس دن بڑے اہتمام سے عید منائی تھی ۔ یہ سولہویں تاریخ کو پڑتا تھااورعید رام اکیسویں تاریخ کو پڑتی تھی۔ زرتشت نے حکم دیا تھا کہ مہرجان اوررام روز دونوں کی برابر تعظیم کی جائے۔ اوردونوں دن عید منائی جائے۔اس کے بعد مشہور سورمامزبن شاپور نے سولہ تاریخ اوراکیس تاریخ کے درمیانی دن بھی عید قرار دیے تھے۔پھر دوسرے سلاطین فارس نے اکیس سے تیس دن تک تمام کے تمام دن مختلف طبقوں کے لئے عید قرار دیئے تھے۔''(۲۸)

نوروز کے تہوار کی کئے دنوں پر مشتمل سرگرمیوں میں عباسی خلفاء اورمسلم عوام کی شرکت اس حقیقت کی عکاس ہے کہ تاریخ اسلامی کے اس مثالی دور میں غیرمسلموں کی خوشی ومسرت کے لئے نہ صرف یہ کہ غیرمعمولی انتظامات کئے جاتے تھے بلکہ اس ضمن میں خطیر اخراجات کو بھی برداشت کیا جاتا تھا۔ ان انتظامات واخراجات کے

خوش دلانہ انعقاد سے واضح ہوتا ہے کہ عباسی عہد میں غیر مسلموں کو بھرپور انداز میں قومی دھارے میں شامل کیا گیا تھا۔

دربارِ خلافت میں مذہبی مناظروں کی اجازت اور حوصلہ افزائی:

عہد بنی عباس مذہبی آزادی کے اعتبار سے ایک مثالی دور تھا، خلفاء نے ہر مذہب کے لوگوں کو اپنے عقائد و نظریات کو بیان کرنے اور ان کی تبلیغ کرنے کی پوری اجازت دے رکھی تھی۔ اس آزادی کا نقطۂ کمال یہ تھا کہ غیر مسلم پورے اعتماد کے ساتھ شاہی دربار میں بھی اپنا مذہبی مؤقف واضح کر سکتے تھے اور ضرورت پڑنے پر مناظرہ بھی کر سکتے تھے۔ شبلی نعمانی اور معروف مستشرق فلپ ۔کے۔ ہٹّی نے ایسے مناظروں کا ذکر کیا ہے، انہوں نے مہدی اور مامون کے درباروں میں ہونے والے مسلم۔ مسیحی مناظروں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔(۲۹)

ہارون الرشید سے ایک ہندو راجہ نے درخواست کی کہ کسی عالم کو اس ملک میں بھیج دیا جائے جو اسے اسلام سے آگاہ کرے اور اس کے سامنے پنڈت سے بحث کرے۔ سید سلیمان ندوی اس روداد کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> ''پنڈت نے جب عقلی اعتراضات شروع کئے تو ملانے جواب میں حدیثیں پیش کرنا شروع کر دیں۔ پنڈت نے کہا یہ تو ان کے لئے مفید ہیں جو تمہارے مذہب کو مانتے ہوں ایک روایت میں ہے کہ پنڈت نے پوچھا کہ تمھارا خدا اگر ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ تو کیا اپنی جیسی ہستی کے بنانے پر بھی اس کو قدرت ہے؟ ان بھولے بھالے عالم صاحب نے کہا اس قسم کی باتوں کا جواب دینا ہمارا کام نہیں ہے یہ علم کلام والوں کا کام ہے۔ راجہ نے اس عالم کو واپس کیا اور ہارون الرشید کو کہلا بھیجا کہ پہلے تو بزرگوں کے کہنے سے مجھے معلوم ہوا اور اب اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یقین ہو گیا کہ آپ کے پاس آپ کے مذہب کی سچائی کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ خلیفہ نے علم کلام والوں کو بلوا کر یہ مسئلہ ان کے سامنے پیش کیا اور جماعت کے ایک کمسن بچے نے اٹھ کر کہا امیر المؤمنین یہ اعتراض لغو ہے۔ اللہ تو وہ ہے جس کو نہ کسی نے بنایا نہ پیدا کیا۔ وہ مخلوق ہو۔ اب اگر وہ اپنے ہی جیسے کسی دوسرے کو پیدا کرے گا تو وہ اس جیسا تو نہ ہوگا۔ وہ بہرحال اس کا مخلوق ہی ہوگا۔ پھر یہ کہ بعینہٖ خدا کی طرح کسی دوسری ہستی کا ہو سکنا خدا کی توہین ہے اور خدا اپنی توہین اور تحقیر پر، جو محال ہے قدرت نہیں رکھتا۔ یہ سوال کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے خدا مر سکتا ہے، خدا کھا سکتا ہے، یا پی سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے خدا کچھ نہیں کر سکتا ہے۔ یہ سب اس کی شان کے خلاف ہے۔

یہ جواب سب کو پسند آیااورخلیفہ نے چاہاکہ اس پنڈت کے مقابلے میں اس لڑکے کو ہندوستان بھیجے۔مگر تجربہ کاروں نے عرض کی حضور یہ بحرحال بچہ ہے۔ چنانچہ اس کی بجائے مشہور متکلم کو ہندوستان بھیجا۔لیکن اس متکلم کو راجہ کے اسی پنڈت نے راستہ ہی میں زہر دلوادیا۔''(۳۰)

مامون کے شوقِ مناظرہ کوشبلی نعمانی ان الفاظ میں واضح کرتے ہیں:

''یوں تو مامون کی عام مجلسیں بھی علمی تذکرے سے خالی نہیں ہوتی تھیں لیکن سہ شنبہ کا دن مناظرہ کامخصوص دن تھا۔جس کا طریقہ یہ تھا کہ صبح کچھ دن چڑھے۔ ہر مذہب اورملت کے علماء اور ماہرین فن دربار میں حاضر ہوتے۔ایک پرتکلف ایوان پہلے سے مرتب رہتا تھا۔سب لوگ وہاں بے تکلفی سے بیٹھ جاتے خادم ہر شخص کے سامنے آکرعرض کرتا کہ بے تکلفی سے بیٹھئے اور چاہیں تو پاؤں سے موزے بھی اتارلیں۔ پھردسترخوان جومختلف اقسام کے اطمعہ اوراشربہ سے مزین ہوتا بچھایا جاتا۔کھانا کھانے کے بعد معطر ہوکردارالمناظرہ میں حاضر ہوتے اور مامون کے زانو سے زانو ملاکر بیٹھتے۔مناظرہ شروع ہوتا۔ مامون خود ایک فریق بنتا تھا۔لیکن اس آزادی سے گفتگو ہوتی تھی گویا کسی شخص کومعلوم ہی نہیں کہ مجلس میں خلیفہ وقت بھی موجود ہے۔ دوپہر تک یہ انجمن قائم رہتی۔زوال آفتاب کے بعد خاصہ حاضر ہوتا تھا۔اورلوگ کھاپی کررخصت ہوتے تھے۔ان مجلسوں میں بعض اوقات اہل مناظرہ اعتدال کی حد سے تجاوز کرجاتے تھے۔ مامون بڑے حلم ومتانت سے برداشت کرتا تھا۔''(۳۱)

مامون نے نبوت کے جھوٹے دعویداروں کوبھی مناظرہ کرنے کی سہولت فراہم کررکھی تھی ،شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

''ایک دن ایک شخص دربار میں حاضر ہوااس شخص نے نبوت کادعویٰ کیا تھا۔حسب معمول بہت سے منجم اور ہیئت دان علماء بھی حاضر ہوئے۔مگرکسی کو اس کے ادعائے نبوت کا حال معلوم نہ تھا۔مامون نے ستارہ شناسوں کوحکم دیا کہ زائچہ دیکھ کر بتائیں کہ یہ شخص سچا ہے یا جھوٹا ہے۔سب نے صحن میں جاکرطالع کودیکھاتو یہ صورت تھی کہ شمس وقمرایک دقیقہ میں تھے۔مشتری سنبلہ میں تھااوراسی کی طرف ناظر تھا۔زہرہ، عطارد عقرب میں تھے اورعقرب کی طرف ناظر تھے۔اس بناپرسب نے حکم لگایا کہ مدعی نے جودعویٰ کیا ہے صحیح ہوگا۔لیکن یحییٰ بن منصور نے ان لوگوں کی رائے سے اختلاف کیااورکہامشتری ہبوط میں ہے۔اورجس نرح میں ہے اس سے کارہ ہے۔اس بات نے طالع کی

سعادت بالکل زائل کردی ہے۔دونوں فریق قیاس لگا چکے تو مامون نے کہا یہ بھی جانتے ہو کہ اس شخص نے کس بات کا دعویٰ کیا ہے ۔ یہ نبوت کا مدعی ہے۔ حاضرین دربار اس سے معجزے کے طالب ہوئے اس نے ایک انگوٹھی پیش کی۔ کہ میرے سوا جو اس کو پہنے گا بے اختیار ہنسنا شروع کردے گا اور جب تک اتار نہ ڈالے ۔ یہی حالت رہے گی۔لیکن اس نے کہا کہ اگر میں پہن لوں تو کچھ نہ ہوگا۔اسی طرح اس نے ایک قلم دکھایا جس سے صرف وہ لکھ سکتا تھا۔ اور دوسرا شخص اس سے لکھنا چاہتا تو مطلق نہیں چلتا تھا۔ تجربے سے دونوں باتیں صحیح نکلیں ۔مامون نے سمجھ لیا کہ کوئی نادر علمی معجزہ ہے اگر نبوت کے دعائے باطل سے باز آجائے تو کام کا آدمی ہے مامون نے اس سے یہ راز معلوم کرلیا اور یہ شخص ریاضی اور ہیئت کا بڑا عالم تھا۔طلسم الجناس اسی کی ایجاد تھا جو بغداد کے گھروں میں موجود تھا۔''(۳۲)

اپنے عقیدہ ونظریہ کے انتہائی مخالف لوگوں کی کارآمد فہم وفراست سے استفادہ کرنے کی روش اختیار کرنا اورصبر و برداشت کا دامن تھامے رکھنا،عباسی خلفاء کی روادارانہ پالیسی کے اہم مظاہر تھے۔مسلمانوں میں علم کلام اورفن مناظرہ کےفروغ میں اسی حکمت عملی نے اہم کردارادا کیا ہے۔

تبلیغِ اسلام میں شائستگی اوررواداری کا مظاہرہ:

مسلمانوں نے ہردور میں تبلیغِ اسلام کے لیے بھرپورکوششیں کی ہیں مگر کبھی غیرمسلموں کی تحقیر وتوہین کا ہدف اختیار نہیں کیا۔ہمیشہ برداشت اوراعلیٰ ظرفی کا دامن تھامے رکھا ہے۔مامون کے عہد کی ایک دستاویز جوکہ ایک خط کی صورت میں موجود ہے،دریافت ہوئی ہے۔اس تحریر کو مامون کے ایک عزیز عبداللہ الہاشمی نے اپنے ایک مسیحی دوست کے لیے تیار کیا اوراسے اسلام کی طرف راغب کرنے کی کوشش کی۔ دعوتِ اسلام کے اس خوبصورت اور بے ضرر انداز کی ڈاکٹر ٹی ۔ ڈبلیو۔آرنلڈ نے بھی تحسین کی ہے۔(۳۳) نسطوری کلیسا کے اہم لوگوں نے اسلام قبول کیا اور یہ سب کچھ تشدد اورجبر واکراہ کے بغیر عمل میں آیا۔قبولِ اسلام کے اس تاریخی واقعہ کو ڈاکٹر آرنلڈ نے بطور خاص ذکر کیا ہے۔(۳۴)

غیرمسلموں کی عبادت گاہوں کا تحفظ:

عباسیوں کے غیرمعمولی انتظامات کے نتیجے میں غیرمسلموں کے جان ومال کا تحفظ تو کیا ہی جاتا تھا مگر ان کی عبادت گاہوں کے تحفظ میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی۔عیسائیوں، مجوسیوں، ہندوؤں اوردیگر مذاہب کے لوگوں کی عبادت گاہیں محفوظ ومامون تھیں جب کہ ان کی تعداد ہزاروں سے تجاوز کرچکی تھی۔نئی عبادت گاہوں کی تعمیر کی نہ

صرف اجازت دی جاتی تھی بلکہ ان کی مالی و انتظامی مدد بھی کی جاتی تھی۔(۳۵) بعض گرجا گھروں میں فراہم کردہ سہولیات غیر معمولی نوعیت کی ہوتی تھیں۔ممتاز مؤرخ حسن ابراہیم حسن نے ایک ایسے گرجا گھر کا تذکرہ کیا ہے جو نہر دجاج پر واقع تھا، اس گرجا سے ملحق بہت سے باغات تھے۔(۳۶) ڈاکٹر آرنلڈ غیر مسلموں پر مسلمانوں کے احسانات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسلامی سلطنت کے قیام سے بجائے اس کے کہ مسیحی کلیسا کی ترقی میں رکاوٹ آتی ، تاریخی شواہد یہ ہیں کہ جب وہ مسلمانوں کی رعایا تھے، ان میں مذہبی زندگی اور دینی جوش پیدا ہو گیا تھا۔عباسی خلفاء کے دور میں ان کو اپنے وطن میں ایسی حفاظت میسر آئی کہ مسیحی مشن کے کاموں کو بڑی دھوم دھام سے بیرونی ممالک میں جاری رکھا گیا۔ جن ممالک میں یہ مسیحی مشنریز نے کام شروع کیا ان میں چین اور ہندوستان خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔(۳۷) ممتاز مستشرق فلپ ۔کے۔حتّی کے مطابق اگرچہ عباسی عہد حکومت میں یہودیوں اور مجوسیوں کی تعداد مسیحیوں کی نسبت کم تھی مگر وہ بھی کسی معاملے میں نظر انداز نہیں کیے گئے۔ان کی اکثریت کا پیشہ زراعت تھا جب کہ بعض لوگ سونے چاندی کا کاروبار کرتے تھے۔(۳۸) عبدالکریم شہرستانی لکھتے ہیں کہ مسلم عہد حکومت میں ملتان کا عظیم الشان بت خانہ سینکڑوں سالوں تک قائم اور درست حالت میں رہا۔(۳۹) مؤرخین کے بیان کردہ ان شواہد کے بعد یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ عباسی عہد حکومت میں غیر مسلموں کے شخصی احترام کے ساتھ ساتھ ان کی عبادت گاہوں کو بھی احترام اور تحفّظ حاصل تھا۔

ہارون الرشید کا رومی بادشاہ سے غیر معمولی رواداری کا مظاہرہ:

ملکہ روم رینی عباسی خلفاء کو خراج ادا کیا کرتی تھی، رومیوں نے داخلی سیاست کے نتیجے میں اس کے خلاف بغاوت کر کے اسے تخت سے محروم کر دیا،اس کی جگہ تقفور بادشاہ بن گیا،اس سے پہلے وہ روم کا افسرِ خراج تھا،بادشاہ بننے کے بعد اس نے ہارون کو خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا۔نتیجتاً ہارون اور تقفور کی ہرقلہ کے مقام پر جنگ ہوئی، ہارون نے تقفور کو زبردست شکست سے دوچار کیا۔مالِ غنیمت کے علاوہ بہت سی لونڈیاں، غلام اور قیدی ہارون کے قبضے میں آ گئے، ہرقلہ شہر کو جلا دیا گیا،تقفور نے سالانہ خراج ادا کرنے کی شرط پر صلح کی درخواست کی جسے ہارون نے منظور کر لیا۔ بعد ازاں تقفور نے خط لکھ کر استدعا کی کہ ہرقلہ کی باندیوں میں سے ایک لڑکی اس کے بیٹے کی منگیتر ہے، براہِ کرم وہ اس کے بیٹے کو مرحمت فرما دی جائے، نیز یہ درخواست کی کہ مجھے خوشبودار مصالحہ اور اپنے خاص خیموں میں سے ایک خیمہ بطور تحفہ عنایت کیا جائے۔ہارون نے حکم دیا کہ اس لڑکی کو حاضر کیا جائے۔وہ پیش کی گئی ، اسے آراستہ کیا گیا اور اسے ہارون کے خیمہ میں ایک تخت پر بٹھایا گیا۔ہارون نے اس لڑکی کو خیمہ ، ظروف اور قیمتی سازوسامان کے ساتھ تقفور کے وکیل کے سپرد کر دیا اور جو دوسری چیزیں عطریات وغیرہ کی قسم سے اس نے مانگی

تھیں وہ بھی ارسال کردیں۔علاوہ ازیں کھجور، خشک میوہ جات، مقّے اورتریاق بھی بھیجا۔(۴۰) کسی مسلمان خلیفہ کا غیر مسلم حکمران سے یہ بےتکلف حسن سلوک اپنی مثال آپ ہے۔

شہنشاہ فرانس کے لئے قیمتی اورانوکھے تحائف:

ہارون الرشید کے دور میں مسلمانوں کا تمدن عروج پر تھا۔شہنشاہ فرانس شارل مین ، جوحقیقت میں تمام یورپ کا مالک تھا، نے ہارون الرشید کے پاس سفیر بھیجے اورنہایت ادب سے خواہش کی کہ زائرین بیت المقدس کی حفاظت کا بندوبست کیا جائے۔ خلیفہ نے اس درخواست کوقبول کیااورسفیروں کوبیش بہاتحائف دے کررخصت کیا۔منجملہ ان تحائف کے ایک ہاتھی تھا،جس کی جھول بہت ہی بیش قیمت تھی اور یہ جانوراس سے پہلے کبھی یورپ میں نہیں آیا تھا۔اس کے علاوہ موتی ، جواہرات ، ہاتھی دانت،لوبان اورریشمی انواع واقسام کے کپڑے تھے اوران سب پر مافوق ایک گھڑی تھی جو وقت بتاتی تھی اورگھنٹوں پر بجتی تھی۔اس گھڑی نے شارل مین اوراس کے نیم وحشی مصاحبین کونہایت چکر میں ڈال دیا۔اس کے دربار میں کوئی شخص بھی اس لائق نہ تھاجواس گھڑی کے کیل کانٹے کوسمجھ سکتا۔(۴۱) یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ شہنشاہ فرانس کا یہ وفد کثیرالمذاہب شخصیات پر مشتمل تھا۔اس میں کاؤنٹ لائفر یڈ،کاؤنٹ سیکمونڈ اور ایک یہودی تاجراسحاق بھی شامل تھا۔ ہارون نے وفد کے استقبال کے انتظامات نہایت شاندارطریقے سے کیے تھے۔(۴۲)غیرمسلم حکمران اوراس کے کثیرالمذاہب نمائندوں کے ساتھ پُرتکلّف برتاؤ، عباسی خلفاء سے متعلق اس حقیقت کا عکاس ہے کہ وہ نہ صرف اپنی غیرمسلم رعایا کے کامل اطمینان واعتماد کا مظہر تھے بلکہ وہ غیرمسلم حکومتوں کے ساتھ بہترین تعلقات استوار کرنے کی صلاحیت سے بھی مالا مال تھے۔

خلاصۂ بحث:

تمام گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ عہد بنی عباس اسلامی تہذیب وتمدن کے عروج کا دورتھا جس میں انسان دوستی ، وسیع المشربی اوربین المذاہب ہم آہنگی ویگانگت کی ان گنت مثالیں ملتی ہیں۔عباسیوں کی وسیع وعریض سلطنت میں ترک ، پٹھان ، سندھی، ایرانی،کرداور عرب ایسی بے شماراقوام آبادتھیں۔اسلام کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب عیسائیت، یہودیت ،بدھ مت ،جین مت اور ہندومت وغیرہ کے ماننے والے اسلامی مملکت کے شہری تھے، جواپنااپنامنفردومختلف تہذیبی وفکری پس منظر رکھتے تھے۔ اس کثیرالمذاہب معاشرے میں عباسی خلفاء نے رواداری کی عظیم الشان روایات قائم کیں۔غیرمسلموں کے حقوق کے تحفظ کویقینی بنایا گیا،انہیں تعلیم وصحت کی بہترین سہولیات فراہم کی گئیں،ان کے تہواروں میں شرکت کی گئی،ان کی خدمات سے استفادہ کیا گیا، انہیں اہم عہدوں پرفائز کیا گیا،مختلف شعبہ ہائے اقتداروسیاست سے متعلق ان سے مشاورت کی گئی،ان کے مذہبی پیشواؤں کی

تعظیم کی گئی،ان کے شخصی معاملات سے متعلق مقدمات میں انہیں اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے فیصلے اپنی شریعت کے مطابق کریں، اس حد تک آزادی فراہم کی گئی کہ وہ خلیفہ کے دربار میں آکر اپنے مذہب کو درست ثابت کرنے کے لیے دلائل دے سکیں، ریاست کے طول وعرض میں اپنے اپنے مذہب کی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی اجازت دی گئی اوران کی حفاظت کے لیے بہترین فکری وانتظامی بندوبست کیے گئے،ان کے علوم کے تراجم کرکے ان کی اشاعت کے عمل کوآسان کردیا گیا،مختلف مذاہب کے حاملین کے زیرانتظام چلنے والی مختلف ریاستوں سے سفارتی تعلقات قائم کیے گئے اور ان سے تجارتی مراسم کورواج دیا گیا۔الغرض عباسی خلفاء نے غیرمسلموں کے ساتھ حسن سلوک،فراخ دلی ، ہمدردی اورروادای کوفروغ دے کرانسانی تہذیب وتمدن کے ارتقاء میں شاندارکردارادا کیا۔دورِجدید میں مذہبی عدم برداشت کے رویوں کوکم کرنے کے لیے نہ صرف یہ کہ عہد بنی عباس کے کثیرالجہات تجزیاتی مطالعات کی طرف توجہ مبذول کرنے کی اشدضرورت ہے بلکہ عالمی سطح پر مذہبی ہم آہنگی کوفروغ دینے کے لیے تاریخ انسانی کے اس مثالی دورمیں قائم ہونے والے مسلم - غیرمسلم تعلقات اوران سے حاصل ہونے والے دروس ونتائج سے استفادہ بھی کرنے کی ضرورت ہے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) سورۃ الکافرون ۱-۵،سورۃ البقرہ:۲۵۶،سورۃ الانعام:۱۰۸

(۲) ابن ہشام ،محمدعبدالملک ،ابومحمد،الحمیر ی المعافری(م ۲۱۸ھ)،السیر ۃ النبویۃ،ج:۱،ص:۱۶۷،دارالفکر، بیروت، لبنان، ۱۴۰۲ھ ؛ ابن سعد ،محمدبن سعدبن منیع البصری الزھری (م۲۳۰ھ)،الطبقات الکبریٰ ، ج:۳،ص:۱۸۲،داراحیاءالتراث العربی، بیروت ،لبنان،۱۹۸۵ء

(۳) الازہری، پیرمحمدکرم شاہ،ضیاءالنبی،ج:۱،ص:۵۶،ضیاءالقرآن پبلیکیشنز،لاہور،۱۴۱۸ھ

(4) Ameer Ali, Syed, The Spirit of Islam, Pakistan Publishing House, Karachi, 1980,P:35

(۵) عبدالرزاق کانپوری،مولانا،البرامکہ،ص:۱۸۸،۱۸۹،نفیس اکیڈمی ،اردو بازارکراچی ،۱۹۸۷ء

(۶) الماوردی،ابی الحسن علی(م۴۵۰ھ)،الاحکام ا لسلطانیہ،ص:۱۳۹،دارالفکر، بیروت ، لبنان،۱۴۰۶ھ

(7) T.W. Arnold, The preaching of Islam, P:59,Sh. Muhammad Ashraf, Lahore, 1976

(8) Ibid, P:60

(9) Ibid, P:61

(10) Artin, Jacob Pasha, England in Sudan, P:210, Translated by George Roob, London, 1911

(۱۱) کیرن، آرم سٹرانگ، مقدس جنگ، ص:۶۸، مترجم: محمد احسن بٹ، نگارشات پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۷ء

(۱۲) مبارکپوری، قاضی اطہر، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، ص:۱۳۳، مکتبہ عارفین، کراچی، ۱۹۸۲ء

(۱۳) م۔ن، ص:۲۸۸

(۱۴) السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن (م ۹۱۱ھ)، تاریخ الخلفاء، ص:۲۷۰، میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی، س۔ن

(۱۵) عبدالرزاق کانپوری، البرامکہ، ص:۱۳۷

(۱۶) م۔ن، ص:۲۳۳

(۱۷) گستاؤلی بان، ڈاکٹر، تمدن عرب، ص:۴۰۷، مترجم: سید علی بلگرامی، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۶۸ء

(۱۸) حسن ابراہیم حسن، ڈاکٹر، مسلمانوں کا نظمِ مملکت، ج:2، ص:۶۹۹، مترجم: مولوی علیم اللہ، دارالاشاعت، کراچی، س۔ن

(۱۹) ندوی، رشید احمد، تہذیب وتمدن اسلامی، ص:۸۸۹، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ۱۹۷۳ء

(۲۰) گیلانی، مناظر احسن، سید، ہزار سال پہلے، ص:۲۸۷۔۲۸۸، انجمن ثمرۃ التربیت دیوبند، مکتبہ اشرف العلوم، کراچی، ۱۹۵۰ء

(۲۱) مبارکپوری، قاضی اطہر، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، ص:۲۸۷

(۲۲) موفق بن احمد المکی (م ۵۶۸ھ)، المناقب، ص:۲۴۴، مؤسسہ النشر الاسلامی، قم، ایران، س۔ن

(۲۳) الذہبی، شمس الدین، محمد بن احمد بن عثمان ابوعبداللہ (م ۷۴۸ھ)، تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۲۲۵، مترجم محمد اسحاق، اسلامی پبلشنگ، لاہور، س۔ن

(۲۴) موفق بن احمد المکی، المناقب، ص:۲۴۴

(25) Ameer Ali, Syed, The Spirit of Islam, P:371

(۲۶) شبلی نعمانی، ''المامون''، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ص:۱۵۳

(۲۷) حسن ابراہیم حسن، ڈاکٹر، مسلمانوں کا نظم مملکت، ج:۲، ص:۵۹۸، ۵۹۹

(۲۸) م۔ن، ج:۲،ص:۵۹۹

(۲۹) فلپ ۔ کے۔حتّی، تاریخ عرب، مترجم: سید ہاشمی فرید آبادی،ص:۵۷۳، انجمن ترقیٔ اردو، کراچی،س۔ن

(۳۰) ندوی، سلیمان، سید، عرب و ہند کے تعلقات، ص:۲۱۰، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۸۷ء

(۳۱) شبلی نعمانی، المامون، ص:۱۶۰

(۳۲) م۔ن،ص:۱۶۵

(33) T.W.Arnold, The Preaching of Islam, P:85

(34) Ibid, P:245

(۳۵) ابن ابی اصیبعہ، ابوالعباس ، احمد بن قاسم،عیون الانباء فی طبقات الاطباء ، مترجم :حکیم عبدالمجید اصلاحی، ج:۱،ص:۲۵۲، ۲۶۸، زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور، نومبر ۱۹۹۳ء

(۳۶) حسن ابراہیم حسن، ڈاکٹر، مسلمانوں کی سیاسی تاریخ، ج:۲،ص:۷۰۹، دارالاشاعت، کراچی،س۔ن

(37) T.W.Arnold, The Preaching of Islam, P:73

(38) A. J. Arberry, Religion in The Middle East, Vol:1, P:130, Cambridge University Press, 1976

(۳۹) شہرستانی، عبدالکریم، الملل والنحل، ج:۳،ص:۲۱۹، دارالفکر، بیروت،س۔ن

(۴۰) الطبری، محمد بن جریر، ابوجعفر (م ۳۱۰ھ)، تاریخ الامم والملوک، ج:۶،ص:۵۰۵ تا ۵۱۰، مجلدات:۸، مؤسسہ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، لبنان، ۱۹۸۹ء

(۴۱) گستاؤلی بان، ڈاکٹر، تمدن عرب،ص:۲۹۲

(۴۲) عبدالجبار الجومرد، ''ہارون الرشید''، مترجم :رئیس احمد جعفری،ص:۶۰۶، مرکزی اردو بورڈ، گلبرگ، لاہور، ۱۹۶۸ء

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆